(۱۴)

(فرمودہ ۲۵۔اپریل ۱۹۲۵ء بمقام مسجد اقصیٰ۔ قادیان)

آج ہم اس جگہ اس لئے جمع ہوئے ہیں کہ عید کا دن ہے اور عید کا دن مسلمانوں کے دلوں میں خوشی اور انبساط کی لہر پیدا کر دیتا ہے لیکن کیا عید کے دن کی خوشی اس سبب سے ہے اور اس وجہ سے ہے کہ اس دن کے آنے پر لوگوں کو کچھ مل جاتا ہے۔ کیا اس دن انعامات تقسیم ہوتے ہیں۔ کیا اس دن کوئی جاگیریں ملتی ہیں۔ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں بلکہ عام طور پر لوگوں کو اس دن کچھ نہ کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے مگر باوجود اس کے لوگ خوش ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آج خوشی کا دن ہے۔ یہ بات ہمیں دو سبق دیتی ہے۔ جن میں سے ایک تو ظاہری سبق ہے اور ایک باطنی۔ ظاہری سبق اس سے یہ ملتا ہے کہ انسان کی فطرت خدا تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنے لئے آپ خوشی کے سامان پیدا کر سکتا ہے اور اگر چاہے تو اپنے لئے غم کے سامان پیدا کر لیتا ہے۔ ہم کیوں خوش ہوتے ہیں؟ اگر ہم اس کا ظاہری جواب دینا چاہیں تو ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ ہم اس لئے خوش ہوتے ہیں کہ خوش ہیں۔ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ آج خوش ہونگے اس لئے خوش ہو جاتے ہیں اور اگر یہ فیصلہ کرتے کہ غمگین ہونگے تو بغیر کسی باعث اور سبب کے غمگین ہو جاتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے اگر کوئی رونی صورت بنالے تو واقعہ میں تھوڑی دیر کے بعد رونے لگ جائے گا اور اگر کوئی ہنسی کی صورت بنالے تو واقعہ میں خوش ہو جائے گا۔[1] یہ ایسی سچائی ہے کہ کوئی شخص بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ ہم روزانہ دیکھتے ہیں ایک شخص مجلس میں آتا ہے جو دوسروں کو دیکھ کر ہنسنے لگتا ہے اسے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ہنسی کا سبب کیا ہے لیکن ساری مجلس کو ہنستے دیکھ کر وہ بھی ہنسنے لگ جاتا ہے۔ یہی دیکھو جب کبھی اجتماع کے موقع پر دعا کی جاتی ہے تو سب لوگ آرام اور خاموشی سے دعا کر رہے ہوتے ہیں کہ ایک طرف سے کسی کی چیخ نکل جاتی ہے اس کے بعد چاروں طرف سے چیخیں سنائی دینے لگتی ہیں اور آہ وبکا کا شور پڑ جاتا ہے۔ وہ ایک شخص ابتداء کرتا ہے کوئی وجہ اور کوئی سبب ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ برداشت

نہیں کر سکتا اور اس کی چیخ نکل جاتی ہے لیکن جونہی اس کی چیخ نکلتی ہے اس وقت وہ لوگ جو اپنی طبیعت کو روکے ہوئے خشیت سے دعا کر رہے ہوتے ہیں چیخیں مارنے لگ جاتے ہیں جن سے ساری مسجد گونجنے لگ جاتی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ سکون ہوتا جاتا ہے۔ آہ و بکا اور چیخ و پکار مدھم ہونے لگتی ہے کہ اتنے میں کسی اور کی چیخ نکل جاتی ہے اس سے پھر ساری مجلس میں شور پڑ جاتا ہے۔ سارے کے سارے الگ الگ دعائیں مانگ رہے ہوتے ہیں۔ اگر امام اونچی آواز سے دعا مانگ رہا ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ اس کی دعا کے کسی حصہ سے سب پر رقّت طاری ہو گئی اور سارے کے سارے بے تاب ہو کر چیخیں مارنے لگ گئے مگر سب لوگ مختلف دعائیں کر رہے ہوتے ہیں۔ کوئی کہہ رہا ہوتا ہے میرا قرض اُتر جائے' کوئی کہہ رہا ہوتا ہے مجھے نیک اولاد حاصل ہو' کوئی کہہ رہا ہوتا ہے ملازمت مل جائے' کوئی کہہ رہا ہوتا ہے مجھے ترقی مل جائے' کوئی کہہ رہا ہوتا ہے مجھے یا میرے فلاں رشتہ دار کو صحت حاصل ہو جائے' کوئی کہہ رہا ہوتا ہے فلاں مجھ سے ناراض ہے وہ راضی ہو جائے' کوئی کہہ رہا ہوتا ہے میرا فلاں دشمن ہے وہ تباہ ہو جائے غرض ہر شخص علیحدہ علیحدہ دعا کر رہا ہوتا ہے اس لئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ کسی دعا کی وجہ سے چیخیں نکل جاتی ہیں بلکہ اس چیخ کی وجہ سے نکلتی ہیں جو کسی کی کسی خاص حالت میں نکل جاتی ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے اور درست کہا ہے۔

افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را [۲]

ایک رونی صورت والا انسان اگر مجلس میں آ جائے تو سب کی رونی صورت بن جاتی ہے اور اگر ایک ہنستا ہوا آ جائے تو سارے ہنسنے لگ جاتے ہیں۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ انسانی فطرت میں خدا تعالیٰ نے یہ مادہ رکھا ہے کہ اگر وہ ارادہ کرے کہ غم نہیں کروں گا تو خوش ہو جاتا ہے۔ اور اگر ارادہ کرے کہ غمگین ہوں گا تو غمگین ہو جاتا ہے بغیر کسی اس قسم کی بات کے کہ اسے انعام ملا ہو' یا جاگیر ملی ہو' یا کامیابی ہوئی ہو' وہ کہتا ہے کہ میں خوش ہوں گا اور وہ خوش ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بغیر اس کے کہ اس کا کوئی عزیز مرا ہو' یا اسے کوئی ناکامی ہوئی ہو' یا کوئی اور صدمہ پہنچا ہو وہ کہتا ہے کہ میں غمگین ہوں گا اور فوراً اس کا دل غم سے بھر جاتا ہے اور بہت دفعہ اس کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ بائبل میں آیا ہے اور گو اس میں غلطی بھی ہے مگر ایک حد تک سچ بھی ہے کہ خدا نے چاہا کہ انسان کو اپنی شکل پر پیدا کرے۔ [۳] اور اس میں شک نہیں کہ انسان میں بعض ایسی طاقتیں ہیں جو خدا تعالیٰ

کی طاقتوں سے ملتی ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی طاقت ہے کہ **یَفْعَلُ مَایَشَآءُ** [۴] اس کے ماتحت انسان جب کہتا ہے کہ آج میں خوش ہوں گا تو وہ خوش ہو جاتا ہے بغیر کسی سامانِ خوشی کے۔ اسی طرح جب وہ کہتا ہے کہ آج میں غمگین ہوں گا تو بغیر کسی غم کی وجہ کے غمگین ہو جاتا ہے۔ غرض جیسا وہ ارادہ کرتا ہے اس کے ماتحت اردگرد کے حالات کو بدل دیتا ہے۔ اگر وہ خوش ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو جوؔ میں خوشی ہی خوشی اسے نظر آتی ہے۔ ایسی حالت میں اگر وہ کوئی جنازہ بھی دیکھتا ہے تو خیال کرلیتا ہے نامعلوم یہ بیچارہ کس مصیبت میں پھنسا ہوا ہوگا اب اس پر خدا کا فضل ہو گیا کہ دنیا کے مصائب سے چھوٹ گیا اس طرح وہ اس نظارہ پر بھی خوش ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی کو بیمار دیکھتا ہے تو کہتا ہے ممکن ہے اس نے اس سے بھی زیادہ سخت بیمار ہونا تھا کہ خدا نے اس پر فضل کر کے اس بیماری میں مبتلاء کیا یا وہ یہ خیال کرلیتا ہے کہ یہ کوئی ایسی سخت بیماری نہیں ہے اس سے بھی زیادہ خطرناک بیماریوں میں لوگ مبتلاء ہوتے ہیں یا یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس بیمار کا تو علاج کرانے والے موجود ہیں کئی ایسے بھی بیمار ہوتے ہیں جنہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا غرض ایسی صورت میں طبیعت کئی قسم کے بہانے نکال لیتی ہے اور انسان ہر ایک بات پر خوش ہو جاتا ہے۔

غرض ارادہ کے ساتھ انسان اپنی کیفیت کو بدل دیتا ہے اور نہ صرف کیفیت کو بدل دیتا ہے بلکہ گردو پیش کے حالات کو بھی بدل دیتا ہے۔ وہی حالات جو دوسروں کو خوش کر رہے ہوتے ہیں، غمگین ہونے کا ارادہ کرنے والے کو غمگین بنا دیتے ہیں اور وہی حالات جو دوسروں کو غمگین کرنے والے ہوتے ہیں خوش ہونے کا ارادہ کرنے والے کو خوش کرنے کا باعث بن جاتے ہیں۔ پس ہم کو اس سے جو عظیم الشان سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ ہماری جنت اور ہمارا دوزخ ہمارے اپنے اختیار میں ہے۔ ہم چاہیں تو اپنے لئے جنت بنالیں اور چاہیں تو اپنے لئے دوزخ تجویز کرلیں۔ خدا تعالیٰ نے ہمارے دل میں یہ طاقت رکھ دی ہے کہ ہم جب چاہیں دوزخ تیار کرلیں اور جب چاہیں جنت بنالیں۔ یہی وجہ ہے کہ کئی بار قرآن کریم میں یہ بیان ہوا ہے کہ جنت اور دوزخ انسان اپنے اعمال سے تیار کرتا ہے۔ [۵] جب کہ یہ بات ہمیں دنیا کی ہر چیز میں نظر آتی ہے تو ایک بات یاد رکھنی چاہئے اور وہ یہ کہ اگر ہم کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو ہماری کامیابی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہماری ہمتیں بلند، ہمارے حوصلے وسیع، ہمارے ارادے عظیم الشان ہوں کیونکہ کوئی قوم جو عظیم الشان امید، نہایت وسیع امنگ اور اپنے آپ

پر پورا بھروسہ نہیں رکھتی وہ کامیاب نہیں ہوا کرتی۔ وہ قوم جو اپنے دل میں اپنی ناکامی یا موت کا فیصلہ کر لیتی ہے وہ ظاہر میں کبھی غالب نہیں ہو سکتی خواہ وہ کتنی ہی بہادر، کتنی ہی جری اور کتنی ہی زبردست کیوں نہ ہو۔ برخلاف اس کے وہ قوم جو اپنے دل میں فیصلہ کر لیتی ہے کہ مجھے دنیا میں غالب ہونا ہے وہ ضرور غالب ہو کر رہتی ہے خواہ بظاہر کتنی ہی کمزور، کتنی ہی قلیل اور کتنی ہی ادنیٰ حالت میں ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے بار بار اس طرح توجہ دلائی ہے کہ ہمارا ایمان خوف اور رجاء کے درمیان ہو۔ [لہ] یعنی ایک طرف اگر ہمیں ہر وقت یہ امید ہو کہ ہم دنیا میں غالب ہو کر رہیں گے تو دوسری طرف خوف بھی ہو۔ مگر یہ خوف امید کو کاٹنے والا نہیں ہوتا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو رجاء کے ساتھ جمع نہ ہو سکتا کیونکہ متناقض جمع نہیں ہو سکتے۔ جو چیز دوسری کو کاٹ دیتی ہے ان دونوں کو اگر جمع کیا جائے تو دونوں تباہ ہو جاتی ہیں۔ اگر کسی شخص کے پاس ایک روپیہ ہے اور اس نے ایک روپیہ کسی کا دینا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر ایک ہی درجہ کا خوف اور ایک ہی درجہ کی امید ایمان کے لئے ہوتی تو اس کا یہ مطلب ہوتا کہ کچھ نہ ہوتا۔ اس لئے جب یہ کہا جاتا ہے کہ ایمان خوف اور رجاء کے درمیان ہو تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ یہاں وہ خوف مراد ہے جو رجاء کے مطابق ہے۔ خوف دو قسم کا ہے ایک وہ جو امید کے خلاف ہے یہ جتنا بڑھتا جاتا ہے امید مٹتی جاتی ہے۔ لیکن دوسرا خوف رجاء کا مؤید ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ ایسا نہ ہو ہم یہ کام نہ کر سکیں۔ یہ خوف ہمت اور جوش پیدا کرتا ہے اور اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ ہم نہیں جیتیں گے بلکہ یہ ہوتے ہیں کہ ایسا نہ ہو ہماری کسی کمزوری کی وجہ سے کامیابی میں نقص آ جائے۔ اور جب امید حوصلہ کو بلند کرتی ہے، قربانیوں پر آمادہ کرتی ہے اور آگے قدم بڑھانے کی ہمت دلاتی ہے تو یہ خوف شرور کے دروازے بند کرنے اور فتنوں کے دبانے کی طرف متوجہ کرتا ہے اور انسان کے اندر ایسی ہوشیاری پیدا کر دیتا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی چور اس کے اندر داخل نہیں ہو سکتا جب کسی قوم کی ایسی حالت ہو تو وہ ضرور کامیاب ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ ہمیشہ مایوسی کو نہایت ناپسند کرتے تھے۔ [کہ] اور قرآن کریم نے اسے کفر قرار دیا ہے۔ چنانچہ آتا ہے۔ **لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ** [^] مایوس ہونا کافروں کا کام ہے کیونکہ مایوسی کسی وقت ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ اور جو مایوس ہوا وہ کافر ہو گیا کیونکہ ہو نہیں سکتا کہ ایک شخص

زبردست خدا تعالیٰ پر ایمان لائے' اس کے وعدوں پر بھروسہ رکھے اور پھر مایوس ہو۔ پس جو جماعت خدا تعالیٰ کے فرستادہ نے کھڑی کی ہو اس کے افراد کا فرض ہے اور اولین فرض ہے کہ ایک منٹ کیلئے بھی مایوسی کو اپنے پاس نہ آنے دیں۔ ان کے دل میں خوف ہو۔ وہ چوکس ہوں۔ انہیں یقین ہو کہ شیطان ان پر حملہ کرے گا کیونکہ وہی اس کے حقیقی دشمن ہیں اور حملہ ہمیشہ دشمن پر ہی کیا جاتا ہے۔ کیا اگر بچے لکڑیاں لئے پھر رہے ہوں ان میں سے کوئی جرنیل' کوئی کرنیل' کوئی میجر بن جائے تو لوگ دروازے بند کرلیں گے نہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ تماشہ ہے۔ اسی طرح جب لڑکے شیر شیر کر کے کھیلتے ہیں تو کیا لوگ اپنے جانوروں کو مکانوں میں بند کر لیتے ہیں۔ نہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ منہ کا شیر ہے۔ لیکن اگر سچ مچ کا شیر آ جائے تو دیکھو کس طرح اس کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ پس دنیا میں اگر کسی جماعت کے لئے شیطان کے حملہ کا خوف ہے تو وہ خدا کے فرستادہ کی جماعت ہے۔ اللہ کے نبیوں' اس کے ماموروں اور اس کے مرسلوں کی جماعت ہے۔ کیونکہ یہ سچ مچ کے شیر ہوتے ہیں۔ شیرِ قالین نہیں ہوتے اور چونکہ وہ لوگ جو بہیمیت کی صفت رکھتے ہیں وہ ڈرتے ہیں کہ انہیں یہ شیر کھینچ کر لے جائیں گے اور وہ جانتے ہیں کہ یہ سچی فوج ہے اس لئے سارا زور ان کے خلاف لگاتے ہیں تاکہ اسے توڑ دیں۔ اس وجہ سے سب سے زیادہ خوف کی وجہ اگر موجود ہوتی ہے تو اسی جماعت کے لئے جسے خدا نے کھڑا کیا ہو۔

لیکن باوجود اس خوف کے مومنین کی جماعت میں مایوسی کبھی نہیں آسکتی کیونکہ ایمان اور مایوسی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ مومن کو کوئی غم نہیں ہوتا مگر میں یہ کہتا ہوں کہ مومن کو کوئی ایسا غم نہیں ہوتا جو اسے مایوس اور افسردہ بنادے۔ وہ غم میں بھی لذت محسوس کرتا ہے اور ایسی لذت محسوس کرتا ہے کہ کسی خوشی کے لئے اسے چھوڑنے کے واسطے تیار نہیں ہو سکتا۔ کیا ایک باپ جو اس فکر اور غم میں ہو کہ اس کا بچہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر لے اسے کوئی کہے کہ اس فکر کو اپنے دل سے نکال دو اور اس غم کے بوجھ سے اپنے دل کو ہلکا کر لو تو وہ اس کے لئے تیار ہو گا۔ کوئی باپ اس بات کو پسند نہیں کرے گا کیونکہ اس کلفت اور فکر میں ہی اس کے لئے ایسی لذت رکھی گئی ہے جو خوشیوں سے بڑھ کر ہے۔ غرض مومن کا غم بھی ایسا غم ہوتا ہے اور اس میں ایسی لذت اور ایسا سرور ہوتا ہے کہ وہ اس غم کو بھی چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔ وہ غم ہوتا ہے اور اتنا بڑا غم ہوتا ہے کہ قریب ہے غمگین کی کمر توڑ دے مگر

باوجود اس کے اس غم کے ساتھ ایسی لذت بھی ہوتی ہے جس کی قیمت دنیا کی کوئی خوشی نہیں ہو سکتی۔ جس طرح ڈوبتے کو بچانے کی کوشش کرنے والا جانتا ہے کہ شاید میں بھی ڈوب جاؤں مگر باوجود اس خوف کے وہ اس کام میں خوشی کی لہر محسوس کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ ایک کام ہے جو میں اپنی زندگی میں کر رہا ہوں اور یہ مخلوقِ خدا کی خدمت ہے جو میں ادا کر رہا ہوں۔ اسی طرح ایک سپاہی جو اپنے ملک کی خاطر جان دیتا ہے اس کی حالت ہوتی ہے۔ جان دینا کوئی معمولی بات نہیں۔ انسان تو انسان حیوان اور ادنیٰ سے ادنیٰ حیوان اور مکھی اور چیونٹی بھی پسند نہیں کرتی کہ ہلاک ہو جائے۔ مگر ایک سپاہی خوشی خوشی جان دیتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسے جان دینے میں غم اور صدمہ نہیں ہوتا' ہوتا ہے مگر جب وہ حُبِّ وطن کے لئے لڑتا ہے تو اس میں خوشی بھی محسوس کرتا ہے۔ اور ہر سپاہی میدان جنگ میں اس لئے جان نہیں دیتا کہ اس کے لئے مجبور ہوتا ہے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے جب کہا جاتا ہے کہ فلاں خطرناک موقع پر کون کون جانا چاہتا ہے اس وقت بہت لوگ اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔ ان کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا کہ انہیں اپنی جان عزیز نہیں ہوتی' انہیں بیوی بچوں سے محبت نہیں ہوتی وہ جانتے ہیں کہ ۹۹ فیصدی امکانِ موت ہے۔ وہ جانتے ہیں ان کی بیوی بچوں کا کوئی خبر گیراں نہ ہو گا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بوڑھے ماں باپ کو پانی تک پلانے والا کوئی نہ ہو گا مگر باوجود اس کے وہ جاتے ہیں اور اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں۔ وہ غمگین ہوتے ہیں ان کے لئے جو ان کے پیچھے رہ جاتے ہیں مگر وہ خوش ہوتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ملک کی خاطر جان دی۔

میں نے ولایت میں شاہی نمائش میں جنگ کا ایک نقشہ دیکھا جو سرکاری طور پر دکھایا گیا تھا۔ ایک جگہ جرمنوں کا بحری بیڑہ خطرناک حملہ کرتا تھا جہاں اس نے سینکڑوں جہاز برطانیہ اور فرانس کے غرق کر دیئے جب نقصان حد سے زیادہ بڑھ گیا تو انگریزی امیر البحر نے فیصلہ کیا کہ خواہ کچھ ہو اسے فتح کرنا چاہئے مگر وہ مقام فتح نہیں کیا جا سکتا تھا جب تک کچھ جہازوں کے ساتھ کچھ جانیں بھی ضائع نہ ہوں۔ اُس وقت بحری فوج میں اعلان کیا گیا کہ کون کون لوگ اس کام کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔ اس پر سب بحری فوج نے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ اس میں سے کچھ آدمی چُنے گئے۔ ان کا کام یہ تھا کہ اس مقام پر جا کر اپنے اپنے جہاز کو غرق کر کے وہ راستہ بند کر دیں جہاں سے نکل کر جرمن جہاز حملہ کرتے تھے۔ ادھر جرمن بھی سوئے ہوئے نہ تھے۔ ان کے پہرے مقرر تھے اس لئے یہ تجویز کی گئی کہ انگریزی بیڑہ ایک اور طرف حملہ

کرے اور جب جرمن بیڑہ کی ادھر توجہ ہو تو ادھر سے انگریزی جہاز گھس جائیں۔ یہ اسّی میل کی دیوار بنی ہوئی تھی اس کے سرے کو توڑنے کی کوشش کی جانی تھی اس کے لئے ایک ایسا جہاز تیار کیا گیا جس کے لئے سب سے زیادہ یقینی موت تھی۔ اس میں کام کرنے کے لئے پھر خاص طور پر آدمی چُنے گئے۔ ان میں سے ایک سپاہی نے اپنے آپ کو پیش کیا جس کی عمر ۱۷ سال کی تھی اس کا دوسرا بھائی افسر تھا اس نے کہا میں قواعد کے لحاظ سے اپنے آپ کو پیش تو نہیں کر سکتا مگر میں یہ درخواست کرتا ہوں کہ ہماری بوڑھی ماں ہے اگر میرا چھوٹا بھائی اس مہم میں چلا گیا تو وہ خیال کرے گی کہ چھوٹے بھائی کی اس نے کچھ مدد نہ کی اس لئے مجھے بھی اس کام میں حصہ لینے کی اجازت دی جائے تاکہ میں اپنے بھائی کو بچانے کی کوشش کروں۔ اسے اجازت دی گئی۔ اس کے بعد ان کا ایک ماموں زاد بھائی تھا اس نے کہا مجھے ان دونوں کو بچانے کی اجازت دی جائے۔ اسے بھی اجازت مل گئی۔ آخر وہ جہاز گیا۔ اس وقت کا سارا نظارہ دکھایا گیا خدا کی قدرت وہ تینوں ہی بچ گئے اور راستہ بند کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ ۹؎

اس قسم کی کیفیات جو پیدا ہوتی ہیں ان کے متعلق ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان میں لذت بھی ہوتی ہے اور رنج بھی۔ اس شخص کی کیفیت جس نے کہا کہ میرا چھوٹا بھائی جاتا ہے مجھے بھی جانے دیا جائے ورنہ میری ماں مجھ پر افسوس کرے گی جہاں غم پیدا کرتی تھی کہ یہ ایسا موقع ہے جہاں قریباً یقینی موت ہے وہاں خوشی بھی پیدا کرتی تھی کہ میں اپنے فرض کو ادا کرنے جا رہا ہوں اور میں اپنے بھائی کو بچانے کے لئے آخری کوشش جو کر سکتا تھا اس سے دریغ نہیں کیا۔

پس کامیابیوں اور فتوحات کے ساتھ جو غم اور تکالیف ہوتی ہیں ان میں بھی لذت ہوتی ہے۔ اور وہ قوم جو خدا کی ہو جاتی ہے وہ بھی غموں میں مبتلاء ہوتی ہے بلکہ دوسروں سے بہت زیادہ مبتلاء ہوتی ہے کیونکہ اس کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہوتی ہیں مگر اس کے ساتھ ہی اسے بہت بڑی خوشی اور فرحت بھی ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ رسول کریم ﷺ کے متعلق فرماتا ہے **لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ** ۱۰؎ تجھے دنیا کے کفر پر اتنا غم ہے کہ قریب ہے تُو اس غم سے ہلاک ہو جائے۔ گویا خدا تعالیٰ غم کو چُھری تصور کر کے فرماتا ہے کہ وہ کاٹتے کاٹتے گردن کے پچھلے چمڑے تک چلی گئی ہے۔ لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اگر رسول کریم ﷺ کو ساری دنیا کی بادشاہت دے کر کہا جاتا کہ آپؐ اس غم کو جانے دیں تو

آپؓ اسے تسلیم کر لیتے ہرگز نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو اس سے رسول کریم ﷺ کو سخت غصہ آتا۔

تو مومنوں کے غم اپنے اندر خوشیاں رکھتے ہیں۔ ان کے غم اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ اگر ساری دنیا کے کافروں کے غم بھی جمع کئے جائیں تو ان کے غم کے برابر نہیں ہو سکتے مگر وہ غم مزیدار بھی ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ساری دنیا کی خوشیاں جمع کر کے دے دی جائیں تو بھی وہ ان غموں کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ اس غم کی وجہ سے وہ اپنے محبوب کے قریب ہوتے اور اس کی رضا حاصل کرتے ہیں۔ غم کی گھڑی میں ان کے آنسو کا قطرہ وہ دریا ہوتا ہے جس میں وہ کشتی چلتی ہے جو انہیں خدا تعالیٰ تک پہنچا دیتی ہے۔ اور ان کا غم جو خون خشک کر دیتا ہے اس سمندر کو سُکھا دیتا ہے جو انسان اور خدا تعالیٰ کے درمیان حائل ہوتا ہے۔ پس غم مومن کو ہوتا ہے اور جب میں یہ کہتا ہوں کہ مومن افسردہ نہیں ہوتا تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اسے غم نہیں ہوتا۔ جو شخص غم نہیں کرتا میں اسے مومن ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ مومن وہی ہے جس کا دل غمگین اور فکر مند ہو اور جتنا کوئی بڑا مومن ہو گا اتنا ہی زیادہ غمگین ہو گا مگر باوجود اس کے مومن کبھی افسردہ دل نہیں ہوتا' کبھی ہمت نہیں ہارتا' اس کے چہرہ پر کبھی مُردنی نہیں چھاتی' وہ کبھی ہتھیار نہیں ڈالتا اور جب سب سے زیادہ خطرہ کا وقت ہوتا ہے اس وقت سب سے زیادہ ہوشیار اور سب سے زیادہ عقلمند ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس کے اندر ایسی قوت پیدا کی ہوتی ہے کہ وہ ایک منٹ کے لئے بھی نہیں سمجھتا کہ میں پِس جاؤں گا۔ اور خواہ غموں کے پہاڑ بھی اس کے سامنے کھڑے ہو جائیں پھر بھی اس کی قوت کے سامنے حقیر ہوتے ہیں۔ پس عید ہم کو یہ سبق دیتی ہے کہ ایک مسلم کا رویہ کیا ہونا چاہئے یا یوں کہنا چاہئے کہ عید ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ خوشی کا پیدا کرنا انسان کے اپنے اختیار میں ہے اور جو قوم مشکلات اور تکالیف کی وجہ سے مایوس ہو جاتی ہے وہ کافروں میں داخل ہو جاتی اور خدا تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو جاتی ہے۔ لیکن جس طرح ہر شخص عید کے دن خوش ہوتا ہے اسی طرح ہم جو خدا تعالیٰ کے ایک نبی اور مرسل کی جماعت ہیں یہ کہیں کہ نبی کے زمانہ میں ہم خوش ہی رہیں گے اور کبھی اور کسی حالت میں ہمت نہ ہاریں گے اور ساری دنیا کو فتح کر لیں گے تو جس طرح آج خوش ہو گئے ہیں اس سے بہت زیادہ خوشیاں پیدا ہو سکتی ہیں اور جس طرح آج عید کے دن ہماری طبیعت خوشی کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور اگر کوئی غم کی بات ہو بھی تو

کہہ دیتے ہیں اس میں بھی کوئی حکمت اور فائدہ ہے اسی طرح اگر ہم اپنے لئے حقیقی عید پیدا کر لیں اور ہر تکلیف اور ہر مصیبت جو آئے اس کے متعلق کہیں۔

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است
زیر آں گنج کرم بنہادہ است [۱۱]

تو کوئی مصیبت مصیبت نہیں رہ سکتی۔

پس میں آج اپنے دوستوں کو اسی امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ جس طرح میں نے کل کہا تھا کہ ہم جب چاہیں رمضان کا آخری عشرہ اور لیلۃ القدر بنا سکتے ہیں۔ [۱۲] اسی طرح میں آج کہتا ہوں کہ عید بنانا ہمارے اختیار میں ہے جب ہم چاہیں عید بنا سکتے ہیں کیونکہ عید ہمارے قلب میں پیدا ہوتی ہے اور اگر ہم فیصلہ کرلیں کہ ہر روز عید ہی رکھیں گے تو کوئی طاقت نہیں جو ہمارے اس فیصلہ کو مٹا سکے کیونکہ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمیں عید دی گئی ہے اور خدا تعالیٰ کی دی ہوئی چیز میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ کوئی طاقت اسے مٹا نہیں سکتی۔ پس جب کہ ہم نے خدا تعالیٰ کے مأمور اور مُرسل کو قبول کیا ہے اور جب کہ اس کے نبی کی بیعت کی ہے اور اس کے اتباع میں داخل ہوئے ہیں اور جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی معرفت ہمیں عظیم الشان کامیابیاں حاصل ہو چکی ہیں۔ تو پھر کوئی طاقت نہیں جو ہمیں پیس سکے اور کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے دل غمگین ہو سکیں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آئندہ مشکلات نہیں ہوں گی۔ مشکلات ہوں گی اور اس سے زیادہ ہوں گی جتنی اب تک ہو چکی ہیں اور جتنی اب تک قربانیاں کی گئی ہیں اس سے بہت زیادہ آئندہ کرنی پڑیں گی لیکن جس طرح باوجود اس کے کہ عید کے دن روپیہ خرچ کرنا عید کی خوشی کو زائل نہیں کر دیتا اسی طرح کوئی وجہ نہیں کہ غم اور مشکلات اور تکالیف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کو ہمارے لئے عید کا زمانہ نہ رہنے دیں۔ اگر ہم عید کے طور پر اس زمانہ کو منانا چاہیں تو کوئی نہیں جو ہمیں اس سے روک سکے۔ پس میں دوستوں کو کہتا ہوں کہ اس عید کے منانے کے لئے اپنے دل میں فیصلہ کر لو اور جب تم یہ فیصلہ کر لو گے کہ ہم مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کو عید کی طرح منائیں گے تو پھر تم دیکھو گے کہ آج جو مشکلات تمہیں گھبرا دیتی ہیں اس ارادہ کے بعد نہیں گھبرائیں گی اور وہ فکر اور غم جو اب تمہیں ڈراتے ہیں وہ اس ارادہ کے بعد نہیں ڈرائیں گے اور وہ مشکلات جو پہاڑوں کی مانند نظر آتی ہیں اس ارادہ کے بعد تنکا کے برابر بھی حقیقت نہ رکھیں گی۔

دوسرا سبق ہمیں عید سے یہ ملتا ہے کہ کوئی عید بغیر قربانی کے نہیں حاصل ہو سکتی۔ اگر ہم علاوہ اس وجہ کے جو اوپر بیان کی گئی ہے کہ ہم خوش ہونا چاہتے ہیں یہ دیکھیں کہ خدا نے عید کیوں مقرر کی ہے؟ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب ہم خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت کھانا پینا چھوڑتے ہیں ؎ تو اس کے بعد عید میسّر آتی ہے گویا ظاہری عید نفس کی طرف سے آتی ہے اور اصل عید خدا تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے اور وہ قربانیوں کے بعد آتی ہے۔ پس اگر تم حقیقی عید دیکھنا چاہتے ہو تو اس کے لئے ایک ہی رستہ ہے کہ سچی قربانیاں کرو۔ خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت' اس کے کلمہ کے اعلاء کے لئے' اس کی طرف سے جو صداقت آئی ہے اس کے پھیلانے کے لئے اپنی جان' اپنے مال' اپنے اوقات' اپنے علوم' اپنے خیالات' اپنی اُمنگوں' اپنے رشتہ داروں' اپنے قریبیوں' اپنے نفوس کو قربان کرنا چاہئے کیونکہ بغیر قربانی کے کوئی عید نہیں۔ اور جتنی بڑی قربانی ہو اتنی ہی بڑی عید ہوتی ہے۔ دیکھو جو لڑکا پانچ سال قربانی کرتا ہے اس کے لئے پرائمری کی عید ہوتی ہے اور جو دس سال قربانی کرتا ہے اس کے لئے انٹرنس کی اور جو چودہ سال قربانی کرتا ہے اس کے لئے بی۔ اے کی عید ہوتی ہے۔ پس جتنی بڑی قربانی ہو اتنی ہی بڑی عید ہوتی ہے۔ ہمیں بھی چاہئے کہ اس بڑی عید کے لئے پوری تیاری کریں۔ اپنے مال' اپنے نفوس غرض اپنی ہر ایک چیز کو خدا ہی کی سمجھیں اور سمجھیں کیا پہلے ہی جو کچھ ہے خدا کا ہے۔ ہم جب یہ کہیں گے کہ ہمارا سب کچھ خدا کے لئے ہے تو یہ صرف صداقت کا اقرار ہو گا یہ کوئی نئی قربانی نہ ہو گی بلکہ ایک جھوٹ کو چھوڑنا ہو گا کیونکہ جب ہم یہ سمجھتے تھے کہ یہ مال ہمارا ہے تو وہ ہمارا نہ تھا بلکہ خدا ہی کا تھا کیونکہ اسی کی طرف سے ملا تھا۔ مگر ہم احسان فراموش تھے جو دینے والے کو بھول گئے تھے اور جب یہ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ خدا ہی کا ہے تو اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اسی نے دیا ہے اور یہ کوئی قربانی نہیں بلکہ جھوٹ کو چھوڑ کر سچ کو اختیار کرنا ہے۔ پس میں جہاں اپنی جماعت کو اس بڑی عید کی طرف توجہ دلاتا ہوں وہاں یہ بھی کہتا ہوں کہ اس کے لئے بڑی بڑی قربانیاں بھی کرنی چاہئیں۔ مجھے بڑا تعجب آتا ہے جب میں سنتا ہوں کہ جماعت پر بوجھ بہت بڑھ گیا ہے بڑی قربانیاں ہو گئی ہیں کیونکہ جو کچھ ہونا چاہئے تھا میرے نزدیک اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہوا۔ دیکھو اگر ایک کمزور اور نحیف آدمی کو اٹھا کر چارپائی پر بھی بٹھایا جائے گا تو وہ کہے گا میں تھک گیا ہوں مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہو گا کہ اس نے کوئی بڑا کام کیا ہے۔ اسی طرح جب کہا جاتا ہے کہ بڑی قربانیاں ہو گئی ہیں تو میں یہ کہنے

کو تو تیار ہوں کہ یہ کہنے والے تھک گئے ہیں مگر یہ نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے کوئی بڑا کام بھی کیا ہے۔ اور انہیں تھکنے کا حق بھی تھا بے شک وہ تھکان محسوس کرتے ہیں مگر بوجہ اپنی کمزوری اور کم ہمتی کے نہ کہ بوجہ کام کے۔ اور اس وجہ سے تھکنے والوں کو کام لینے والا چھوڑ نہیں سکتا۔ بیمار کا یہ کام نہیں کہ اپنی کمزوری کو پیش کر کے کام کرنے سے جی چُرائے بلکہ اس کا کام ہے کہ بیماری کا علاج کرائے۔ پس یہ ایک وسوسہ ہے جو بعض لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گیا ہے کہ انہوں نے قربانی کی ہے۔ ہرگز انہوں نے کوئی ایسی قربانی نہیں کی جسے قربانی کہا جا سکے۔ اگر تم حقیقی عید حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کے لئے ایسی قربانیاں کرو جن کی نظیر پہلے زمانوں میں نہ مل سکتی ہو حتیٰ کہ صحابہ میں بھی نہ ملتی ہو۔

کیونکہ اس زمانہ میں جو کام تمہارے سپرد کیا گیا ہے وہ اس زمانہ کے کام سے بہت بڑا ہے۔ تمہارا کام شیطان کو کُچلنا ہے اور ایسے زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے مبعوث کیا ہے جب کہ تمام دنیا کے لوگوں کے دلوں پر شیطان نے قبضہ کیا ہوا ہے۔ پھر تم کمزور اور مفتوح ہو اور جن لوگوں کے دلوں پر تم نے قبضہ کرنا ہے وہ فاتح اور طاقتور ہیں۔ اس حالت میں شیطان کو مٹانے کا کام کسی نبی کی جماعت کے سپرد نہیں کیا گیا۔ رسول کریم ﷺ کے لئے یہ کام مقرر تھا مگر آپؐ کی دوسری بعثت میں یہ کام ہونا تھا۔ [۱۴] سو یہ کام ہو گا تو آپؐ کی ہی قوت قدسیہ کے ذریعہ مگر پہلے نہیں ہوا۔ پہلے ظہور کے وقت آپؐ کے سپرد یہ کام نہ کیا گیا تھا جو اَب کیا گیا ہے۔ پس اس کام کے لئے جس قربانی کی ضرورت ہے وہ اپنی مثال پہلے زمانہ میں نہیں رکھتی۔ مگر ہماری قربانیاں ابھی حضرت مسیحؑ کے زمانہ کی قربانیوں جتنی بھی حقیقت نہیں رکھتیں۔ پس میں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اپنے نفوس کو اس قربانی کے لئے تیار کرو جس کی نظیر پہلے نہیں مل سکتی اور جس کے بغیر حقیقی عید نہیں حاصل ہو سکتی۔ خدا تعالیٰ ہمارے لئے اپنے فضل سے دونوں عیدیں دکھائے۔ وہ عید بھی جو اپنے نفسوں سے پیدا ہوتی ہے اور وہ بھی جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔

اس کے ساتھ ہی میں اپنے دوستوں کو اس امر کی طرف بھی توجہ دلاتا ہوں کہ یہ زمانہ اشاعت کا زمانہ ہے [۱۵] مگر کوئی اشاعت اس وقت تک فائدہ نہیں دے سکتی جب تک اسے قبول کرنے کے لئے قلوب تیار نہ ہوں۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ بعض دوستوں کا خیال ہے اشاعت کے معنی یہ ہیں کہ لیکچر دیئے جائیں۔ حالانکہ لیکچر دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا جب

تک اسے قبول کرنے کے لئے قلوب تیار نہ ہوں۔ جتنے لیکچر اب تک ہو چکے ہیں اتنے کسی نبی کے زمانہ میں نہیں ہوئے ہوں گے مگر ان کا اثر اتنا ظاہر نہیں ہوا جتنا ہونا چاہئے تھا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ سننے والوں میں سے ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ یہ باتیں دوسروں کے لئے ہیں۔ اس وجہ سے سب کے سب خالی رہ جاتے ہیں اور کسی کے برتن میں بھی پانی نہیں پڑتا۔ دوستوں کو چاہئے کہ اپنی حالتوں میں تغیر پیدا کریں اور یہ یقین رکھیں کہ جو بات بتائی جاتی ہے وہ ان کے لئے ہی ہوتی ہے۔

اس کے بعد اب میں دعا کرتا ہوں سب احباب اس میں شامل ہوں۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے ایسی اصلاح کر دے جو اس زمانہ کے کام کے لئے ضروری ہے اور جو خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے سچے' پیارے اور مقرب بندوں میں ہونی چاہئے۔

(الفضل ۵ مئی ۱۹۲۵ء)

۱؎ اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۲۵ مطبوعہ الشرکتہ الاسلامیہ ربوہ

۲؎ در محفل خود راہ مدہ ہمچو منے را ۔ افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را (غنی کاشمیری)

۳؎ پیدائش باب ۱ آیت ۲۶

۴؎ الحج:۱۹ ۵؎ البلد:۱۱ ق:۱۸ تا ۳۵

۶؎ الانفال:۳' بخاری کتاب الرقاق باب الرجاء مع الخوف

۷؎ مسلم کتاب التوبة باب فی سعة رحمة الله

۸؎ یوسف:۸۸

۹؎ یہ حضور کے سفرِ انگلستان ۱۹۲۴ء کا واقعہ ہے۔ اس بارے میں مکرم محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"ویمبلے کی نمائش میں بعض فوجی مناظر سٹیج کئے جاتے تھے حضور شائد دو بار ہی نمائش میں تشریف لے گئے تھے ممکن ہے تین بار تشریف لے گئے ہوں۔ صرف ایک بار خاکسار کو حضور کی خدمت میں ساتھ جانا یاد ہے۔ اس وقت جو منظر سٹیج کیا گیا وہ فوجی تھا۔ بحری منظر کا دکھایا جانا خاکسار کو یاد نہیں۔ فوجی منظر کے دیکھنے کے بعد حضور نے فرمایا لوگ تو منظر دیکھ کر خوش ہو رہے تھے اور تالیاں پیٹ رہے تھے اور میں اس فکر میں تھا کہ جس قوم کی یہ روایات ہیں ہم اس کا مقابلہ کیسے کر سکیں گے۔ (مکتوب بنام

مرتّب محررہ ۱۹۔ اگست ۱۹۲۸ء)

۱۰؎ الشعراء:۴

۱۱؎ مثنوی معنوی کا جو نسخہ خلافت لائبریری میں ہے اس میں یوں مرقوم ہے۔

زندگی در مردن و در محنتست
آبِ حیواں در درون ظلمت ست
ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است
زیر او صد فائدہ بنہادہ است

(ذکر کراماتِ شیبان راعی و معجزۂ ہود) مثنوی معنوی مولانا روم۔ دفتر ششم مطبوعہ تیج کمار پریس۔ لکھنؤ۔ نیز الہام منظوم ترجمہ مثنوی مولانا روم

۱۲؎ خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۴ اپریل ۱۹۲۵ء مطبوعہ الفضل ۷ مئی ۱۹۲۵ء

۱۳؎ البقرة:۱۸۸

۱۴؎ بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسی بن مریم

۱۵؎ التکویر:۱۱